© rasailojaraid.com

”دیوبندیت فرقہ نہیں اتباع سنت کا نام ہے“

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی
صدر جامعہ دار العلوم کراچی ومفتی اعظم پاکستان

گزشتہ تعلیمی سال کے اختتام پر جامعہ دار العلوم کراچی میں ختم بخاری شریف کی ایک بابرکت تقریب منعقد ہوئی۔ جس میں مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے ایک انتہائی فکر انگیز بیان فرمایا، انہوں نے انتہائی تفصیل سے علمائے دیوبند کے مسلک اعتدال پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ ”مسلک دیوبند“ کسی فرقہ کا نہیں بل کہ اتباع سنت کا نام ہے۔ چونکہ موجودہ معروضی حالات کے پیش نظر یہ بیان انتہائی اہمیت کا حامل ہے اس لئے ”ماہنامہ وفاق المدارس“ کے قارئین کے لئے اسے من وعن شائع کیا جارہا ہے۔(ادارہ)

اللہ رب العالمین کا شکر ادا نہیں کیا جاسکتا کہ اس نے ہمیں اس تعلیمی سال کے اختتام پر پہنچنے کی توفیق عطاء فرمائی اور ملک کے بہت ہی ناسازگار حالات کے باوجود تمام اسباق اور بخاری شریف جیسی عظیم الشان کتاب بھی مکمل کروادی۔

آپ نے آج اس تعلیمی سال کا آخری درس حدیث سنا، عام طور سے ہمارے ہاں ختم بخاری کا اگرچہ پہلے سے اعلان واشتہار کبھی نہیں ہوتا مگر لوگوں کو پتہ چل جاتا ہے بہت بڑا اجتماع ہوا کرتا ہے، لیکن اس مرتبہ ہم نے اس کا اہتمام کیا کہ ختم بخاری کی یہ مجلس کسی تقریب کی شکل اختیار نہ کرنے پائے، کیونکہ ہم نے اپنے بزرگوں کو ایسا ہی سادگی کے ساتھ کرتے دیکھا ہے۔ اور بزرگوں کا تجربہ یہ ہے کہ ختم بخاری کے موقع پر مانگی جانے والی دعاؤں کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے خاص طور پر قبول فرمالیتے ہیں، اس لئے ہمارے والد ماجد رحمتہ اللہ علیہ بھی دار العلوم میں ختم بخاری کے موقع پر دعا کا خاص اہتمام فرمایا کرتے تھے، البتہ اس کے لئے نہ تو کوئی اعلان ہوتا تھا اور نہ اس کے لئے کسی بڑی تقریب کا انداز اختیار کیا جاتا تھا۔ خاص خاص لوگ پوچھتے تھے کہ ختم بخاری کا دن کونسا ہے؟ ان کو بتلادیا جاتا تھا کہ فلاں دن ہے، جن کو شوق ہوتا تھا وہ شرکت کرلیا کرتے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر رفتہ رفتہ ختم بخاری کی یہ مجلس ایک بڑی تقریب کی صورت اختیار کرتی چلی گئی، اور طرح طرح کی دعوتوں اور ضیافتوں کا دن بن گئی اور پھر اس کی کیفیت یہ ہوگئی کہ ڈر لگنے لگا کہ کہیں یہ کسی "میلے" کی صورت اختیار نہ کر لے اور یہ خوف ہونے لگا کہ اگر اس کو مزید جاری رکھا گیا تو یہ خدانخواستہ ایک مستقل بدعت کی شکل اختیار نہ کر جائے، کیونکہ جتنی بدعتیں ہوتی ہیں ابتداء میں وہ نیک کام ہوتے ہیں پھر عوام ان کو لازمی یا سنت سے صراحۃً ثابت شدہ سمجھ کر ان کی پابندی کرنے لگتے ہیں اور جو لوگ پابندی نہیں کرتے ان پر اعتراض کرنے لگتے ہیں۔ تو ختم بخاری کے اندر بھی خیال ہوا کہ شاید کچھ کچھ ایسا ہی ہونے لگا ہے، حتیٰ کہ اس کے ترک پر تعجب کیا جانے لگا، اور رفتہ رفتہ اس کو ایسا عمل سمجھا جانے لگا گویا کہ یہ سنت سے ثابت ہے۔

پھر ختم بخاری کی تقریب میں یہ بھی ہونے لگا کہ جو طالب علم دورۂ حدیث سے فارغ ہو رہا ہوتا اور اس کے پاس کچھ مالی وسعت بھی ہوتی تو وہ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو ختم بخاری کی تقریب میں شرکت کی دعوت دیتا، اور یہ مہمان بھی ایک دو نہیں، دو سو، تین سو مہمان مختلف شہروں اور دیہاتوں سے سفر کر کے آتے اور ان کو ٹھہرانے کے لئے آس پاس کے علاقوں میں جگہیں تلاش کی جاتیں، ان کے کھانے کے لئے دعوتوں کا اہتمام کیا جاتا، دیگیں اتروائی جاتیں اور خوب عظیم الشان ضیافت کا اہتمام ہوتا۔ لیکن وہ طلبہ جو مالی استطاعت نہیں رکھتے تھے اور ایسی دعوتوں کا انتظام ان کے بس سے باہر تھا ان کے دلوں میں احساس محرومی پیدا ہوتا تھا کہ دوسرے طلباء کی دستار بندی کو دیکھنے کے لئے اتنے مہمان آ رہے ہیں، لیکن ہماری دستار بندی دیکھنے کے لئے کوئی بھی نہیں آ رہا۔

پھر بعض جگہوں پر یہ بھی ہونے لگا کہ مسجد میں ختم بخاری ہو رہا ہے اور باہر صحن یا اس سے ملحقہ جگہوں پر لوگ آپس میں ہنسی مذاق اور گپ شپ کر رہے ہیں تو ختم بخاری کا جو مقصد تھا کہ درسِ حدیث سنیں تاکہ نصیحت حاصل ہو اور اس بابرکت موقع پر دعائیں مانگیں، وہ فوت ہونے لگا اور پیسے کا ضیاع ہونے لگا، اس لئے پچھلے دو تین سالوں سے یہ کوشش کی گئی کہ جتنا اس کو کم کیا جا سکتا ہو کم کیا جائے۔

الحمدللہ! ہم نہ تو اعلان کرتے ہیں اور نہ دعوت نامے جاری کرتے ہیں، لیکن چونکہ تاریخ پہلے سے طے ہو جاتی ہے اس لئے لوگ ایک دوسرے کو سینہ بہ سینہ اور اب تو موبائل ٹو موبائل بتلا دیتے ہیں اور خبر پورے شہر اور ملک میں پھیل جاتی ہے۔ اس دفعہ ہم نے ختم بخاری کی تاریخ کو صیغۂ راز میں رکھا اور آج صبح نو بجے تک اس کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔

ختم بخاری خوشی اور غمی کا دن ہے: ختم بخاری کا دن بہت خوشی کا دن ہوتا ہے، اس لئے کہ اس دن ہمارا تعلیمی سال پورا ہوتا ہے اور طالب علمی کا زمانہ جو کہ پڑھنے کا شوق رکھنے والے طالب علموں کے لئے مجاہدوں سے بھرپور ہوتا ہے، خاص طور سے دورۂ حدیث کے طالب علم تو دن رات اسباق میں مصروف رہتے ہیں، ان کو اس سال خاص طور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خاص طور سے بہت محنت کرنی پڑتی ہے اس مجاہدوں والے سال کا بھی ختم بخاری کے دن اختتام ہو جاتا ہے۔ کل ہی ایک طالب علم کہہ رہے تھے اور ان کی آنکھوں میں آنسو تھے کہ یہ موقع خوشی کا تو ہوتا ہے، لیکن غم بھی ہوتا ہے، کیونکہ سارا سال ہم ایک کلاس میں جمع ہوتے ہیں اور ختم بخاری تک یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے اور اس کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔

اس طالب علم نے بالکل سچی بات کہی کہ یہ موقع خوشی کا بھی ہوتا ہے اور غم کا بھی۔ طلبہ کو اساتذہ، اپنے ساتھی طلباء اور مادرِ علمی سے فراق کا غم ہوتا ہے اور تعلیم سے فراغت کی خوشی ہوتی ہے۔ میں نے اس طالب علم سے عرض کیا کہ دنیا تو نام ہی خوشی اور غمی کے مجموعے کا ہے۔ طالب علم کو یہ صورتحال صرف ایک سال ختم بخاری کے موقع پر پیش آتی ہے، لیکن ہمیں اور دیگر اساتذہ کو ہر سال یہ کیفیت پیش آتی ہے کہ ہمارے ہونہار طلباء جو تعلیم کے دوران ہمارے بیٹوں کی طرح ہو جاتے ہیں اور ان سے بے پناہ محبت ہو جاتی ہے اور ان کو بھی اپنے اساتذہ سے بے پناہ محبت، بلکہ عشق ہو جاتا ہے، وہ اس مبارک دن میں ہم سے جدا ہو جاتے ہیں۔ تو ہمیں اس کیفیت سے ہر سال واسطہ پڑتا ہے، خدا کرے آپ کو بھی یہ خوشی اور غمی ہر سال ملا کرے۔ آمین۔

دورۂ حدیث کے طلباء مبارک باد کے مستحق ہیں: ہمارے پاس ہر سال دورۂ حدیث کی جماعتیں پڑھتی ہیں۔ کسی سال استعداد کے اعتبار سے بہت اچھی جماعت آتی ہے کسی سال نسبتاً کچھ کم درجے کی ہوتی ہے۔ الحمد للہ! اس سال کی جماعت استعداد کے اعتبار سے، محنت اور ذوق وشوق کے اعتبار سے اور اخلاقی ودینی اعتبار سے ممتاز جماعت تھی۔ یہ بات آپ کے لئے قابل مبارک باد ہے کہ آپ اپنے اساتذہ سے اپنے بارے میں اچھا گمان لے کر فارغ التحصیل ہو رہے ہیں۔

ہماری آدھی صدی طلباء کی خدمت کرتے ہوئے گزری ہے: آپ امتحان سے فارغ ہو کر اپنے گھروں کو جائیں گے، آپ رخصت ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو شاد وآباد رکھے اور آپ کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔ آپ حضرات ہمارا مستقبل اور ہماری امیدوں کا مرکز ہیں، الحمد للہ آج ہمیں تدریس کرتے ہوئے شمسی سال کے حساب سے اُنچاس سال ہو چکے ہیں، یعنی تقریباً آدھی صدی عیسوی پوری ہو رہی ہے، اور قمری سال کے حساب سے ساڑھے پچاس سال ہو چکے ہیں، یعنی آدھی صدی سے زیادہ۔ ہماری یہ نصف صدی طلباء کی خدمت کرتے ہوئے گزری ہے، کیونکہ ہم نے ۱۹۶۰ء یا ۱۹۶۱ء میں اپنی تدریس کا آغاز کیا تھا۔ اس تمام عرصے میں ہماری کوششوں کا مرکز اور محور طلباء ہی رہے ہیں کہ ان میں علمی استعداد پیدا ہو جائے، ان کو سنت پر عمل کرنے کی عادت پڑ جائے، یہ امت کی قیادت کرنے والے عالم باعمل پیشوا بن جائیں، ہماری اس نیت کے اندر اگر کوئی کھوٹ شامل ہو گیا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیں۔ اللھم انا نستغفرک من کل خیر عمل اردنا بہ وجھک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فخالطنا فیه مالیس لک ۔خلاصہ یہ کہ آپ اور پچھلے تقریباً پچاس برسوں میں فارغ التحصیل ہونے والے تمام طلبہ ہماری تقریباً اکیاون سال کی کمائی ہیں۔

آپ اس بات کا خیال رکھئے کہ آپ کے اساتذہ نے بڑی تمناؤں سے آپ کو یہاں تک پہنچانے کی کوشش کی ہے، آپ نے اتنی بات ضرور دیکھی ہوگی کہ آپ کے اساتذہ آپ حضرات کی خاطر اپنے دن رات کو قربان کر دیتے ہیں، راحت وآرام کو تج دیتے ہیں اور اپنے تفریحی مشاغل کو آپ کی تعلیمی ترقی کے لئے نظر انداز کر دیتے ہیں۔

ہماری دعا ہے کہ اساتذہ کی آپ کے لئے یہ قربانیاں نفع بخش ہوں اور آپ حضرات کو اللہ تعالیٰ ان کے لئے ذخیرہ آخرت اور صدقہ جاریہ بنا دے۔ آمین۔

ہمارے اکابر نے فرقہ بندیوں کو کبھی پسند نہیں فرمایا: کئی سالوں سے صورتحال کچھ اس طرح بن گئی ہے کہ پورے ملک میں طرح طرح کے فرقے اور گروہ پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں اور دن بدن بڑھتے ہی جارہے ہیں۔ جماعت ایک ہوتی ہے لیکن اس میں دو گروپ بن جاتے ہیں، پھر دوسرے گروپ کے بھی دو گروپ ہو جاتے ہیں ایک جماعت میں کئی جماعتیں اور گروپ جنم لے لیتے ہیں۔ پورے ملک میں بڑے پیمانے پر پھوٹ در پھوٹ پڑی ہوئی ہے اور کثرت سے دیوبندی، بریلوی کا لفظ سنائی دیتا ہے جو فرقہ بندی کی علامت ہے اور بہت افسوس ناک ہے۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ ہمارے طلباء جو اب علماء بننے جارہے ہیں رفتہ رفتہ حالات سے متاثر ہو کر کہیں مسلک دیوبند سے دور تو نہیں ہوتے جارہے؟

ہمیں اس بات پر بڑی سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم نام تو مسلک دیوبند کا ہی لیتے ہیں، لیکن کیا ہم خود بھی مسلک دیوبند پر عمل پیرا ہیں یا نہیں؟ مسلک دیوبند کا حال تو یہ رہا ہے کہ انہوں نے کبھی اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ مسلک کے اعتبار سے کسی کو دیوبندی کہہ کر خطاب کیا جائے، آپ حضرات کو معلوم ہے کہ مسلک دیوبند اور مسلک بریلوی کے درمیان کئی اعمال کے بارے میں اختلاف ہے ہم ان اعمال کو بدعت کہتے ہیں، وہ بدعت نہیں کہتے، لیکن اس کے باوجود ہمارے بزرگ فرقہ بندیوں اور گروہ بندیوں سے اتنے دور تھے کہ کبھی انہوں نے اس بات کو گوارا نہیں کیا کہ مسلک دیوبند کو ایک فرقہ سمجھا جائے اور مسلک بریلوی کو دوسرا فرقہ۔ ہمارے بزرگوں نے کبھی دیوبندی، بریلوی کا لفظ بھی استعمال کرنا پسند نہیں فرمایا۔ اگر آج بھی کوئی اس انداز میں بات کرتا ہے تو طبیعت پر ناگوار گزرتا ہے۔

اللہ رب العٰلمین نے قرآن مجید میں ہم سے فرمایا ہے: ﴿ھو سما کم المسلمین﴾ (سورۃ الحج، آیت نمبر ۷۸) کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ ہمارا نام نہ دیوبندی ہے نہ بریلوی، نہ شیعہ ہے نہ سنی، نہ مقلد ہے نہ غیر مقلد، بلکہ ہمارا نام مسلم اور مسلمان ہے۔ ہمارے بزرگوں کو اللہ رب العزت نے کتاب وسنت کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمان بنایا تھا، یہ ترجمانی صرف زبان ہی میں نہیں تھی بلکہ ان کے عمل میں، ان کی زندگی کے تمام شعبوں میں، ان کے تمام طریقہ کار میں رچی بسی تھی۔ وہ دیوبندی اور بریلوی کے لفظ کو بالکل بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔

والد صاحبؒ نے ہمیں اپنے نام کے ساتھ دیوبندی لکھنے سے منع فرمادیا: ہمارے اکابر کو دیوبندی اور بریلوی کے الفاظ کتنے ناپسند تھے اس بات کے اندازے کے لئے ہم آپ کو اپنی مثال دیتے ہیں۔ ہم دیوبند کے رہنے والے ہیں، ہمارے والد، دادا، پردادا، اور ان کے آباؤاجداد دیوبند ہی کے رہنے والے تھے، نسلوں اور صدیوں سے دیو ہمارا وطن چلا آرہا ہے۔ میں نے دارالعلوم دیوبند میں اپنی ابتدائی تعلیم حاصل کی وہیں پندرہ پارے حفظ کئے۔ میری عمر کا بارہواں سال تھا جب ہم دیوبند سے ہجرت کر کے کراچی آئے۔ اگر ہم اپنے نام کے ساتھ دیوبندی لکھتے تو یہ کوئی بے جابات تو نہیں تھی، ہم اپنے وطن کی نسبت سے، اپنے آباؤاجداد کی نسبت سے، اپنی جائے پیدائش کی نسبت سے، اپنے نام کے ساتھ دیوبندی لکھ سکتے تھے۔ چنانچہ پاکستان آنے کے بعد طالب علمی کے زمانے میں ہم اپنے نام کے ساتھ لکھتے تھے محمد رفیع دیوبندی'' اور شوق میں اپنے نام کا لیٹر ہیڈ بھی اسی لفظ کے ساتھ چھپوالیا تھا۔ طالب علمی کے زمانے میں اپنے دوستوں کو خط لکھا کرتے تھے تو اس پر بھی اپنے نام کے ساتھ دیوبندی لکھتے تھے۔

والد صاحبؒ نے طالب علمی کے زمانے میں اس سے منع نہیں فرمایا، لیکن جب ہم دارالعلوم میں مدرس بن گئے تو والد صاحبؒ نے ہمیں اپنے نام کے ساتھ دیوبندی لکھنے سے منع فرمادیا اور فرمایا کہ: ''اس سے فرقہ واریت اور گروہ بندی کی بو آتی ہے۔'' یہ وہی بات تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمائی تھی جب ایک مہاجر کا ایک انصاری سے کچھ نزاع ہو گیا اور مہاجر نے انصاری کو مارا، تو انصاری نے کہا:

"یاللانصار" اور مہاجر نے کہا: "یاللمھاجرین" یعنی انصاری نے انصار کو اپنی مدد کے لئے پکارا اور مہاجر نے مہاجرین کو اپنی مدد کے لئے پکارا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات سنے تو اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا:" دعوھا فانھا منتنة " یہ کلمات چھوڑ دو، یہ بدبودار ہیں۔ (صحیح بخاری جلد ۲، باب قولہ: لئن رجعنا الی المدینہ لیخرجن الاعز منھا الاذل، ص ۷۶۹)

الحمدللہ ہمارے بزرگوں کا خاصہ یہی ہے کہ ان کی تمام باتیں اور نصیحتیں سنت کے سانچے میں ڈھلی ہوتی ہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ کے نام کے ساتھ دیوبندی لکھنے کی وجہ: حضرت شیخ الہندؒ کے نام کے ساتھ دیوبندی اس وجہ سے نہیں لکھا جاتا تھا کہ وہ مسلک دیوبند کے ترجمان تھے، بلکہ ان کے نام کے ساتھ دیوبندی اس لئے لکھا جاتا تھا کہ وہ رہنے والے دیوبند کے تھے۔ اس لئے "مولانا دیوبندی'' کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔

مسلک دیوبند کے اندر گروہ بندیاں: افسوس کہ اب تو ہماری المناک صورتحال یہ ہو گئی ہے کہ مسلک دیوبند کے اندر بھی طرح طرح کی گروہ بندیاں ہماری زبانوں پر آگئی ہیں۔ ایک انتہائی بدبودار لفظ جس کو سن کر دل لرزتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور سچی بات یہ ہے کہ ہمارے بزرگوں کی روحوں کو اس لفظ سے بہت ایذاء پہنچتی ہوگی۔ وہ ہے ''مدنی گروپ'' اور ''تھانوی گروپ''۔ یہ ویسے ہی بدبودار الفاظ ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ:

دعوھا فانھا منتنة ''ان الفاظ کو چھوڑ دو، کیونکہ یہ بدبودار ہیں''۔

مجھے یقین ہے کہ اگر یہ نسبتیں ان بزرگوں کے سامنے آتیں تو وہ کبھی ان کو گوارا نہ کرتے اور انتہائی ناراضگی کا اظہار فرماتے، ان بزرگوں کے درمیان اختلاف رائے تو ہوا، لیکن گروپ بندیوں کا خیال بھی ان بزرگوں کے حاشیۂ خیال تک میں کبھی نہیں آیا۔

حضرت تھانویؒ اور حضرت مدنیؒ کے درمیان اختلاف رائے کی حقیقت: شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ، اور ان کے رفقاء مسلمانوں کی مصلحت اس میں سمجھتے تھے کہ ہندوستان تقسیم نہ ہو، کیونکہ اگر تقسیم کا نعرہ لگایا گیا تو ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے اختلاف سے فائدہ اٹھا کر انگریز اپنے مضبوط پنجے سرزمین ہند پر مزید گاڑ دے اور اس بات کو ہندوستان کی آزادی میں کہیں تاخیر کا بہانہ نہ بنالے کہ آزادی لینے والوں میں اختلاف تھا، ایک پارٹی مسلم لیگ تھی اور ایک پارٹی کانگریس، اس اختلاف کا انگریز فائدہ اٹھاسکتا ہے اور ہندوستان کی آزادی کو مؤخر کرسکتا ہے۔ اس لئے یہ حضرات مسلمانوں کی مصلحت اس میں سمجھتے تھے کہ تقسیم ہند کا مطالبہ نہ کیا جائے۔ سو فیصد اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ ان کی رائے یہی تھی۔ جب کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور ان کے خلفاء، اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور ان کے رفقاء کی رائے یہ تھی کہ ہندوستان کے جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں مسلمانوں کی حکومت قائم ہونی چاہئے اور پاکستان بننا چاہئے، تاکہ مسلمانوں کو یہ موقع مل سکے کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے ملک میں اسلامی نظام قائم کرسکیں اور ان کو اس کام سے کوئی حکومت روکنے والی نہ ہو۔ چنانچہ پاکستان بن گیا تو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پاکستان بننے سے پہلے ہمارا اس کے بارے میں اختلاف ایسا ہی تھا جیسے کسی جگہ کے بارے میں بعض مسلمانوں کی رائے ہو کہ مسجد یہاں بنی چاہئے اور بعض کی رائے ہو کہ مسجد یہاں نہیں بنی چاہئے، مگر جب مسجد بن جائے تو اس میں کوئی اختلاف نہیں رہتا کہ اس کی حفاظت اور احترام تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اسی طرح پاکستان بن جانے کے بعد اس کی حفاظت تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔

مجھے یہ روایت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم جامعہ امدادیہ فیصل آباد نے پہنچائی ہے۔ ان کا بیان ہے کہ یہ روایت ان کو حاجی فاروق صاحب سکھروی رحمۃ اللہ علیہ نے سنائی تھی، وہ فرماتے تھے کہ مجھ سے خود مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان بن جانے کے بعد چھتاول کے ایک جلسے میں یہ ارشاد فرمایا تھا اور میں نے یہ پورا بیان وہاں جاکر خود سنا تھا۔ نیز مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمۃ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ علیہ نے ''مقالات ترمذی'' میں نقل کیا ہے کہ: حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب گرامی میں حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ: ''پاکستان ایک اسلامی ریاست کی حیثیت سے معرضِ وجود میں آگیا ہے اب یہ مسجد کے درجے میں ہے، اس کی حفاظت ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے۔'' نیز کتاب ''شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے حیرت انگیز واقعات'' میں مولانا افضال الحق قاسمی صاحب کی روایت سے نقل کیا گیا ہے کہ: ''پاکستان بن جانے کے بعد ایک صاحب نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے مجلس میں پوچھا کہ حضرت! پاکستان کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تو حسب معمول سنجیدگی اور بشاشت سے فرمایا: ''مسجد جب تک نہ بنے اختلاف کیا جاسکتا ہے، لیکن جب وہ بن گئی تو مسجد ہے''۔

اسی طرح جب پاکستان کے سب سے پہلے وزیر اعظم شہید ملت نواب زادہ خان لیاقت علی خان مرحوم راولپنڈی میں شہید کردیئے گئے تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے جناب مولانا سید فرید الوحیدی صاحب کا بیان ہے کہ میں نے ظہر کے بعد کی مجلس میں حضرت سے ان کی شہادت کے بارے میں دریافت کیا تو ''حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: کون جاہل اس میں شک کرتا ہے، بے شک وہ شہید ہوئے۔'' یہ تھی ان حضرات کے درمیان اختلاف رائے کی حقیقت۔

جیسے پاکستان کے مسلمان ہوں گے ویسا ہی وہاں کا نظام ہوگا: جالندھر کے جلسے میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ پاکستان میں نظام کیسا ہوگا؟ تو والد صاحبؒ نے فرمایا کہ جیسے وہاں کے مسلمان ہوں گے ویسا ہی نظام ہوگا۔ اگر مسلمان اچھے ہوں گے تو نظام اچھا ہوگا اگر مسلمان برے ہوں گے تو نظام برا ہوگا، لیکن اگر وہ اچھا نظام نافذ کرنا چاہیں گے تو ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقاء دار العلوم دیوبند سے کیوں مستعفی ہوئے: ان حضرات کے درمیان اختلاف رائے اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقاء کو دار العلوم دیوبند سے اس وجہ سے مستعفی ہونا پڑا کہ کہیں دو مختلف اور متضاد فتوے جاری ہونے کی وجہ سے دار العلوم کو کوئی نقصان نہ پہنچے، دار العلوم دیوبند کے دار الافتاء سے ایک فتویٰ ایک مضمون کا جائے اور دوسرا فتویٰ دوسرے مضمون کا جائے، جس کی وجہ سے مرکز میں انتشار کا اندیشہ تھا، اس وجہ سے یہ حضرات دار العلوم دیوبند سے مستعفی ہوگئے۔

اختلاف کے باوجود آپس میں اعلیٰ درجے کی محبت وتعظیم: میری عمر تقریباً آٹھ سال ہوگی، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقاء دار العلوم دیوبند سے مستعفی ہوچکے تھے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقاء دار العلوم ہی میں تھے۔ جب حکومت انگریز نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو قید کیا تو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس پر بہت دکھ ہوا، اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرمایا: ''مجھے خیال نہیں تھا کہ مولانا مدنی سے مجھے اتنی محبت ہے۔''

جب حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ انگریز کی قید سے رہا ہوکر تشریف لائے تو حضرت والد صاحبؒ مجھے اپنے ساتھ لے کر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر، جو دارالعلوم دیوبند کے احاطے سے متصل تھا، تشریف لے گئے، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات فرمائی، رہائی کی مبارک باد دی اور خوشی کا اظہار فرمایا۔ مجھے پہلی اور آخری بار حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے مصافحہ کا شرف اسی وقت حاصل ہوا، اگرچہ حضرت کی زیارت اس کے بعد بھی دیوبند میں کثرت سے ہوتی رہی مگر مصافحہ وہی ایک بار ہوا، آج تک مجھے حضرت کے مبارک ہاتھوں کا گداز یاد ہے اور اب بھی اس مصافحے کی لذت محسوس ہوتی ہے، یہ اس زمانے کی بات ہے جب ان حضرات کے درمیان اختلاف رائے اپنے عروج کو پہنچا ہوا تھا اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ اور ان کے رفقاء پورے ہندوستان میں قیام پاکستان کی موافقت میں دورے کررہے تھے اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ اور ان کے رفقاء پورے ہندوستان میں تقسیم ہند کی مخالفت میں دورے کررہے تھے تو عین اس وقت بھی ان حضرات کے درمیان اعلیٰ درجے کی تعظیم وتکریم تھی، ان کی باہمی تعظیم وتکریم کے واقعات ہماری آنکھوں کے سامنے کے ہیں۔ آج اس دور کو دیکھنے والے شاذ ونادر ہی رہ گئے ہیں اور اب ہمارا بھی آخری دور ہے۔ اس لئے یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اپنی نسلوں کے لئے اس امانت کی حفاظت کی خاطر ان واقعات کو تازہ کرتے رہیں۔

ایک مرتبہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہم سے فرمایا کہ: ''مجھے مولانا حسین محمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی سبق پڑھنے کی تو نوبت نہیں آئی مگر بلاشبہ وہ میرے اساتذہ کے درجے میں تھے۔''

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو علمائے کرام نے بجا طور پر ''مجدد الملۃ'' کا خطاب بھی دیا ہے: اس کے بارے میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے جناب مولانا سید فرید الوحیدی صاحب کا بیان ہے کہ میں نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی سنجیدگی سے اور وقار کے ساتھ جواب دیتے ہوئے فرمایا: ''بے شک وہ مجدد تھے انہوں نے ایسے وقت میں دین کی خدمت کی جب کہ دین کو بہت احتیاج تھی۔''

حکیم الامت حضرت تھانوی اور شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان تحریک پاکستان کے سلسلے میں شدید سیاسی اختلاف کے باوجود مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ:

''میں مولانا حسین احمد صاحب کو ان کے سیاسی کاموں میں مخلص اور متدین جانتا ہوں البتہ مجھے ان سے حجت (دلیل) کے ساتھ اختلاف ہے، اگر وہ حجت رفع ہوجائے تو میں ان کے ماتحت ایک ادنیٰ سپاہی بن کر کام کرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لئے تیار ہوں۔''

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہما کے درمیان تعظیم وتکریم اور باہمی محبت وعقیدت کے واقعات کے لئے دو کتابوں کا خاص طور سے مطالعہ کرنا چاہئے۔ایک ''شیخ الاسلام کے حیرت انگیز واقعات'' اور دوسری 'تکملة الاعتدال فی مراتب الرجال''۔

شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی ہمارے گھر تشریف آوری: شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے وہ استاد ہیں جن سے حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے ابتدائی کتب سے لے کر درجہ علیا تک کی کتابیں پڑھیں تھی اور سب سے زیادہ استفادہ کی نوبت حضرت شیخ الادب صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے ہی آئی تھی۔تو جب بزرگوں کے درمیان وہی اختلافی مسئلہ عروج پر تھا اور علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے رفقاء دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہو چکے تھے۔جمعہ کی نماز کے بعد ہمارے گھر پر ان حضرات کا اجتماع ہوا جو قیام پاکستان کی تحریک چلا رہے تھے،گفتگو کے دوران یہ بات ہوئی کہ فلاں بات معلوم کرنے کے لئے حضرت شیخ الادب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس جانا چاہئے۔حضرت شیخ الادب رحمتہ اللہ علیہ اس اختلافی مسئلے میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہ کے بالکل ہم نوا تھے اور اسی وجہ سے دارالعلوم دیوبند میں ہی تھے۔حضرت شیخ الادب رحمتہ اللہ علیہ کا معمول یہ تھا کہ زیادہ تر وقت ان کا مدرسے میں ہی گزرتا تھا،ہر وقت ان کی جان کتابوں میں لگی رہتی تھی،جدید دارالافتاء مسجد کے احاطے میں بنا تھا،اسی میں زیادہ تر ان کی رہائش رہتی تھی۔اس بات کا بزرگوں کو بھی علم تھا اور مجھے بھی علم تھا۔تو ہمارے گھر پر ان حضرات کا حضرت شیخ الادب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس کسی بات کا مشورہ کرنے یا بات پوچھنے کے سلسلے میں جانے کا ارادہ بنا۔حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے مجھ سے فرمایا کہ جاؤ جا کر یہ دیکھ کے آؤ کہ حضرت اپنے کمرے میں موجود ہیں یا نہیں؟ میں چلا گیا،میرا بچپن کا زمانہ تھا، اب ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ میں حضرت کے دروازے پر دستک دینے کی بجائے آس پاس کے لوگوں سے پوچھ لیتا کہ حضرت موجود ہیں یا نہیں؟ لیکن میں نے دروازے پر دستک دے دی،حضرت آرام فرما رہے ہوں گے،لیکن دروازہ کھولا اور کسی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا۔میں نے سلام کیا اور کہا کہ حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں اس لئے مجھے یہ دیکھنے کے لئے بھیجا ہے کہ آپ تشریف رکھتے ہیں یا نہیں؟ حضرت نے فرمایا: ''اچھی بات ہے'' اور یہ کہہ کر دروازہ بند کرلیا۔جب میں والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس آنے کے لئے واپس چلا تو راستے میں بچوں کو مختلف کھیل کھیلتے دیکھا،میرا بھی بچپن کا زمانہ تھا میں کبھی ایک کھیل دیکھتا اور کبھی دوسرا،جب واپس گھر پہنچا تو حضرت شیخ الادب رحمتہ اللہ علیہ کو گھر میں موجود پایا،حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ اختلاف رائے رکھنے کے باوجود خود اپنے شاگرد کے گھر تشریف لائے اور اس کے لئے اپنے سارے معمولات چھوڑ دیئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان بزرگوں کا تو یہ حال تھا اور آج ہم ان بزرگوں کے مقدس ناموں کے ساتھ ''مدنی گروپ'' اور ''تھانوی گروپ'' کے گندے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ میری آپ کو وصیت ہے کہ کبھی ان گندے الفاظ کو اپنی زبانوں پر نہ لائیے گا۔ ہمارے بزرگوں کی شان میں یہ بدترین گستاخی ہے کہ ان حضرات کو گروپوں اور گروہوں کی طرف منسوب کیا جائے۔ یہ طریقہ مسلک دیوبند کے خلاف ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم خود ہی مسلک دیوبند کے خلاف عمل کر بیٹھیں۔

والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا ہجرت کے بعد ہندوستان کا سفر: ۱۹۶۰ء یا ۱۹۶۱ء کا زمانہ تھا، ہم دارالعلوم سے فارغ ہو چکے تھے اور تخصص فی الافتاء کے طالب علم تھے۔ اس زمانے میں تخصص ایک ہی سال کا ہوتا تھا۔ تو حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ تیرہ سال بعد اپنے وطن ہندوستان اپنے رشتے داروں اور عزیزوں سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے، اس وقت حضرت شیخ الادب اور حضرت مدنی قدس اللہ اسرارھما کی وفات ہو چکی تھی۔ میں حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ تھا۔ دیوبند پہنچے تو وہاں حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی آمد کی خوشی میں جشن کا سماں تھا۔ ملک کے مختلف علاقوں سے علماء اور اہل فتویٰ حضرات میرے والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے استفادہ اور علمی مسائل میں مشورے کرنے کے لئے دیوبند پر ٹوٹ پڑے تھے۔

حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا دارالعلوم دیوبند کے دارالحدیث میں خطاب: جب والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ دیوبند پہنچے تو جو حضرات میرے والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا بیان کرانا چاہتے تھے ان میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت مولانا ارشد مدنی صاحب مدظلہم سب سے زیادہ پیش پیش تھے، یہ ہمارے بچپن کے ساتھی ہیں اور اس زمانے میں موقوف علیہ یا دورۂ حدیث کے طالب علم تھے۔ انہوں نے بہت ہی اہتمام اور اصرار سے حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا دارالعلوم دیوبند کے دارالحدیث میں اساتذہ اور طلبہ سے خطاب کروایا اس زمانے میں ٹیپ ریکارڈ نیا نیا ایجاد ہوا تھا اور شاید دیوبند میں سوائے مولانا ارشد مدنی صاحب کے کسی اور کے پاس نہیں تھا۔ انہوں نے بہت اہتمام کر کے حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے بیان کو ریکارڈ بھی کیا تھا۔

مسلک دیوبند کس چیز کا نام ہے: اس زمانے میں حدیث شریف کا درس دارالحدیث میں اساتذہ ایک چوکی پر بیٹھ کر دیتے تھے۔ پیچھے گاؤ تکیہ لگا ہوا تھا، تو جب حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ خطاب کرنے کے لئے اس چوکی پر تشریف فرما ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ شاید آپ حضرات مجھ سے یہ توقع کر رہے ہوں کہ میں آپ حضرات کے سامنے کوئی ایسی علمی تحقیق پیش کروں گا جو آپ نے پہلے کبھی نہ دیکھی ہوگی نہ سنی ہوگی، اور میرا نفس بھی مجھے کچھ اسی طرف لے جانا چاہتا ہے، لیکن یہ گناہ میں نے دارالعلوم دیوبند کے اسی دارالحدیث میں اسی چوکی پر بیٹھ کر برسوں کیا ہے۔ الحمدللہ! اب میں اس گناہ سے توبہ کر چکا ہوں کہ آپ حضرت کے سامنے اس نیت سے ایسی بات کروں کہ آپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میری تحقیق کی تعریف کریں اور میری علمی عظمت کا اعتراف کریں، میں تو سیدھی سادی یہ بات کرنا چاہتا ہوں کہ دیوبند کس چیز کا نام ہے؟ اس موضوع پر والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا، اس کی تفصیلات تو بہت ہیں لیکن حاصل اور لب لباب اس کا یہ ہے کہ دیوبند نہ تو صرف شہر کا نام ہے نہ ہی عمارتوں کا نام ہے، دیوبند نام ہے اتباع سنت کا، یہ کسی فرقے یا گروہ کا نام نہیں ہے۔ جو اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے، بعینہ وہی دارالعلوم دیوبند کا مسلک ہے۔ اور اتباع سنت کا کیا مطلب ہے؟ اتباع سنت کا مطلب ہے کہ زندگی کے تمام شعبوں میں سنت پر عمل کیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی اعتدال کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ اس سے ہٹ کر اعلیٰ درجے کا اعتدال اور توازن کسی طرح پیدا نہیں کیا جاسکتا۔ اور دارالعلوم دیوبند اسی سنت کے احیاء کا نام ہے۔ دیوبند رفض وخروج، جبر وقدر، اعتزال وارجاء اور تقلید واجتہاد کے درمیان راہ اعتدال ہے۔ یہ شریعت وطریقت، ظاہر وباطن کو جمع کرنے والی جگہ ہے۔

ناچیز عرض کرتا ہے کہ یہی مسلک بعینہ اہل سنت والجماعت کا ہے۔ چنانچہ آپ عقائد کی کوئی بھی مستند کتاب اٹھا لیجئے، متقدمین کی ہوں یا محققین متاخرین کی، ان میں جو عقائد اہل سنت والجماعت کے لکھے ہیں وہی عقائد بعینہ ہمارے بزرگان دیوبند کے ہیں، مسلک اہل سنت والجماعت ہی درحقیقت مسلک دیوبند ہے۔ اور بزرگان دیوبند اسی مسلک کا عملی نمونہ تھے۔

دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس سے لے کر چپڑاسی تک سب صاحب نسبت ولی اللہ تھے: ہمارے دادا مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے ہم عمر تھے، اور حضرت تھانوی قدس اللہ سرہٗ کے ہم سبق تھے، ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے دادا کا یہ قول بار بار سنایا کرتے تھے کہ ”میں نے دارالعلوم دیوبند کا وہ دور دیکھا ہے جب یہاں کے صدر مدرس اور مہتمم سے لے کر چپڑاسی اور دربان تک سب کے سب صاحب نسبت ولی اللہ ہوتے تھے“ حضرت دادا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ دارالعلوم دیوبند کے اندر دن میں تو درسگاہوں میں **قال اللہ وقال الرسول** کی آوازیں گونجتی تھیں اور رات کو طلباء کے کمروں میں ہچکیاں لے لے کر رونے اور تڑپنے والوں کی آوازیں آتی تھیں۔ دن میں یہ علماء ہوتے تھے اور رات میں راہب بن جاتے تھے۔

جو اکابر دیوبند کے نقش قدم پر نہ چلے وہ مسلک دیوبند سے ہٹا ہوا ہے: دارالعلوم دیوبند دین کی جامعیت اور اتباع سنت کا دوسرا نام ہے۔ یاد رکھئے! جس میں شریعت وطریقت کے درمیان، ظاہر وباطن کے درمیان جامعیت نہ ہو، جہاں رفض وخروج کے درمیان، اعتزال وارجاء کے درمیان، جبر وقدر کے درمیان اور تقلید واجتہاد کے درمیان اعتدال نہ ہو وہ لاکھ اپنے آپ کو دیوبند کا پرستار کہے ہم نہیں مانیں گے کہ وہ دارالعلوم دیوبند کا پیروکار ہے۔

علماء دیوبند نے رد بدعات کے لئے کوششیں کیں، جھگڑے نہیں کئے: دارالعلوم دیوبند احیائے دین اور اتباع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سنت کا مرکز اور داعی تھا، زندگی کے تمام شعبوں میں شریعت اور سنت پر عمل کرنا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وہ اپنے شاگردوں کو سکھاتا تھا۔ دوسرے ناجائز کاموں کی طرح بدعات سے بھی امت کو بچانا اس کا بڑا مقصد تھا اور ہندوستان میں رد بدعات کے معاملے میں بھی دارالعلوم دیوبند پیش پیش تھا، کیونکہ دارالعلوم دیوبند کے پیش نظر سنت کا احیاء تھا اور جو بات سنت کے خلاف تھی وہ اس کی اصلاح کی کوشش کرتا تھا، انہوں نے بدعت کے خلاف مناظرے کئے، وعظ کہے اور کتابیں لکھیں، لیکن کبھی آپ نے یہ سنا ہوگا کہ انہوں نے کسی کے خلاف جھگڑا کیا ہو؟ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ انہوں نے کبھی بھی کسی مسلم فرقے کے خلاف جھگڑا نہیں کیا۔

دارالعلوم دیوبند کے برابر میں بدعات: اب بہت کم لوگ اس بات کو جاننے والے رہ گئے ہیں کہ وہ دارالعلوم دیوبند جس کے علماء صحابہ کرام کے اور کتاب وسنت کے عملی نمونے تھے، اسی دارالعلوم دیوبند کے برابر میں دیوبند میں ہی پندرہ شعبان کو شب برأت عجیب خوفناک طریقے سے منائی تھی۔ وہ شب برأت کیا ہوتی تھی شب برأت کے مبارک نام پر ایک آفت اور مصیبت بنادی گئی تھی۔ اس دن پوری دیوبند کی بستی دو حصوں میں تقسیم ہوجاتی تھی اور رات میں دونوں فریقوں کے درمیان جنگ ہوتی تھی۔ اس لڑائی میں خود کار اسلحے کے سوا طرح طرح کا ہتھیار استعمال کیا جاتا تھا۔ اس لڑائی کے لئے مہینوں پہلے تیاریاں شروع ہوجاتی تھیں اور لاٹھی، پتھرا استعمال کرنے کی مشقیں کی جاتی تھیں، رات کو ایک دوسرے کو آگ لگانے کے لئے آتش بازی کی بیلیں بالکل اسی طرح پھینکی جاتی تھیں جس طرح آج دستی بم پھینکے جاتے ہیں۔

جب ہم صبح کو دارالعلوم جاتے تو راستہ میں جگہ جگہ زخمی لیٹے بیٹھے ہوتے تھے۔ کسی کا سر پھٹا ہوتا تھا، کسی کا ہاتھ ٹوٹ چکا ہوتا تھا، کسی کی ناک پھٹ چکی ہوتی تھی اور اس جنگ میں صرف دیوبند کے لوگ ہی شامل نہیں ہوتے تھے، بلکہ آس پاس کی بستیوں کے لوگ بھی شامل ہوجاتے تھے۔ غرضیکہ یہ بدعت بہت ساری منکرات کا مجموعہ تھی، طلباء پر اس جنگ میں جانے کی سختی سے ممانعت ہوتی تھی اور اساتذہ اپنے بچوں، متعلقین اور طلباء کو اس میں جانے سے سختی سے منع کرتے تھے۔ اس کے علاوہ دیوبند میں بعض مزارات کے اوپر چراغاں اور روشنی بھی کی جاتی تھی۔ جہاں طرح طرح کی بدعات ہوتی تھیں۔ ہمارے علماء نے اس کے خلاف وعظ تو کئے نصیحت تو کی لیکن کبھی طلباء کو یہ نہیں کہا کہ وہ ان اہل بدعت سے لڑائی جھگڑا کریں اور نہ کبھی طلباء نے اس بات کی جرأت کی کہ وہ ان سے لڑیں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کچھ حدود ہیں: دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ اور طلباء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث جانتے تھے جس کو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من رأى منكم منكر افليغيره بيده ،فان لم يستطع فبلسانه ،فان لم يستطع فبقلبه وذلك

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اضعف الایمان (مشکوٰۃ شریف، باب الامر بالمعروف، صفحہ نمبر ۴۳۶)

ترجمہ: تم میں سے جو شخص کسی ناجائز کام کو دیکھے تو اس کو چاہئے کہ اس برائی کو اپنے ہاتھ (طاقت) سے روک دے، اور اگر ہاتھ سے روکنے کی قدرت نہ ہو تو پھر زبان کے ذریعے اسے روکنے کی کوشش کرے اور اگر زبان سے بھی روکنے کی قدرت اور استطاعت نہیں تو دل سے اسے روکے (یعنی دل سے اس کو برا سمجھے اور یہ نیت رکھے کہ جب قدرت ہوگی تو اسے روکنے کی کوشش کروں گا) اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔

یہاں استطاعت سے صرف حسی اور جسمانی طاقت مراد نہیں ہے، بلکہ استطاعت کے مطلب میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اگر کسی منکر اور برائی کو طاقت کے ذریعے مٹانے میں یہ خطرہ ہو کہ اس کی وجہ سے اس سے بھی بڑا منکر یا فتنہ کھڑا ہو جائے گا مثلاً مسلمانوں میں پھوٹ پڑ جائے گی تو یہ فریضہ ہاتھ سے زبان کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ جس کو دوسرے الفاظ میں اس طرح تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ جس شخص کو کسی علاقے والوں پر شرعاً وقانوناً، یا عرفاً ولایت اور اختیار اس بات کا حاصل ہے کہ وہ ان کے اوپر اپنی طاقت استعمال کر سکتا ہے، مثلاً حاکم وقت یا کسی ادارے کا با اختیار سربراہ تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے اختیار کی حد تک طاقت استعمال کر کے اس برائی کو روک دے۔ اور اگر اس کو ایسی قدرت اور ولایت واختیار حاصل نہیں مثلاً علمائے کرام، واعظین اور مبلغین اور عوام تو اس برائی کو روکنے کے لئے وہ زبان سے کوشش کریں، یعنی سنت انبیاء کے مطابق نرمی، خیر خواہی اور حکمت کے ساتھ لوگوں کو سمجھائیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی پھوٹ سے بچنے کے لئے کعبۃ اللہ کی تعمیر میں کمی برداشت فرمائی:

اس کی مثال آپ اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ جب قریش مکہ نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی تو ان کے پاس پیسوں کی کمی پڑ گئی، جس کی وجہ سے انہوں نے بیت اللہ کی لمبائی میں کچھ کمی کر دی اور بھی تغیرات کئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: **لو لا ان قومک حدیث عهد بالا سلام، الحدیث.** یعنی اگر تمہاری قوم نئی نئی اسلام میں داخل نہ ہوئی ہوتی تو جو بیت اللہ شریف کی تعمیر میں کمی ہوئی ہے اس کو پورا کرتا اور اس کے دو دروازے بناتا، ایک دروازے سے لوگ داخل ہوتے اور دوسرے دروازے سے نکلتے۔ **(صحیح بخاری جلد ا ، باب من ترک بعض الاختیار مخافة ان یقصر فهم بعض الناس فیقعوافی اشد منه، صفحہ نمبر ۳۲)**

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں پھوٹ پڑ جانے کے ڈر کی وجہ سے اتنا عظیم کام چھوڑ دیا اور بیت اللہ شریف کی دوبارہ تعمیر نہیں کی اور وجہ یہ بتائی کہ یہ اہل مکہ حدیث العہد بالاسلام ہیں یعنی اسلام میں نئے نئے داخل ہوئے ہیں، ان کو بیت اللہ کے ان پتھروں سے عقیدت ہے، دوبارہ اگر تعمیر کی گئی تو پھوٹ پڑ جائے گی۔ کچھ لوگ کہیں گے یہ تعمیر صحیح ہوئی کچھ لوگ کہیں گے یہ تعمیر صحیح نہیں ہوئی۔ تو اس فتنے سے بچانے کے لئے بیت اللہ کی تعمیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نامکمل چھوڑ دی۔

کوئی مسجد، کوئی مدرسہ، کوئی خانقاہ بیت اللہ شریف سے افضل نہیں ہوسکتا، جب اس کی تعمیر کو فتنے کی وجہ سے چھوڑ دیا تو باقی مساجد کو بطریق اولیٰ فتنہ وفساد سے بچانا چاہئے۔ اسی وجہ سے علماء دیوبند نے کبھی بریلوی حضرات کے خلاف بھی جھگڑے نہیں کیے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس سے صرف فساد پھیلے گا۔

اپنے بزرگوں کی سوانح حیات کا مطالعہ کریں: میں آپ کو وصیت کرتا ہوں کہ اگر آپ مسلک دیوبند پر اعتماد رکھنے والے ہیں اور ان عظیم ہستیوں پر اعتماد کرتے ہیں جن کا نام لینے کے بھی ہم قابل نہیں ہیں تو ان کی سوانح حیات کا مطالعہ کریں اور جو بات بھی ان کے طریقے کے خلاف نظر آئے چاہے وہ کتنے ہی خلوص سے کی جارہی ہو اس کو سمجھ لیجئے کہ وہ مسلک دیوبند کا راستہ نہیں ہے، اس لئے کہ ہمارے بزرگوں کے تمام کام سنت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے، جو کام بھی اس کے خلاف ہوگا وہ سنت کے خلاف ہوگا۔

اعتدال بزرگوں کے راستے پر چلنے ہی میں ہے: یاد رکھئے! ہم اپنے بزرگوں کے طریقے سے جتنا ہٹیں گے اتنا ہی راہ اعتدال اور سنت کے راستے سے ہٹیں گے، اس بات کو ہمیشہ پیش نظر رکھئے کہ جو بھی کام کریں وہ بزرگوں کے طریقے کے مطابق کریں۔

ہمارے بزرگوں کے عمل کو دیکھ کر سنت کے ہونے یا نہ ہونے پر استدلال کیا جاتا تھا: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک ان پڑھ حجام (بال کاٹنے والا) بھی عقیدت رکھتا تھا، اور ان کی مجلسوں میں آیا کرتا تھا، شاید ان سے بیعت بھی ہوگیا تھا۔ ایک دفعہ اس کا گنگوہ سے سہارنپور جانا ہوا چونکہ وہ بزرگوں کا صحبت یافتہ تھا اور بزرگوں سے خوب محبت کرتا تھا اور ان کی مجلسوں میں حاضر ہوتا رہتا تھا اس لئے صاحب بذل المجہود حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے ذہن میں روزمرہ کے کاموں میں سے کسی کام کے بارے میں ہی یہ سوال پیدا ہوا کہ آیا یہ سنت ہے یا نہیں؟ اس نے اس بارے میں حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا اور صحیح جگہ پوچھا، کیونکہ وہ بہت بڑے محدث تھے۔ اب آپ حضرت کا جواب سنئے، حضرت نے نہیں فرمایا کہ اس طرح سنت ہے، بلکہ فرمایا کہ تم نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا عمل کیا دیکھا؟ اس نے کہا کہ اس طرح دیکھا ہے، تو حضرت نے فرمایا کہ بس یہی سنت ہے۔

تو ہمارے بزرگوں کے اعمال سنت کے سانچے میں اتنے ڈھلے ہوئے تھے کہ ان کے عمل کو دیکھ کر سنت کے مطابق ہونے یا نہ ہونے پر حضرت سہارنپوری جیسے جلیل القدر محدثین بھی استدلال کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین

© rasailojaraid.com